کشمیر

از

رمیش چندر

قومی دارالاشاعت مال روڈ لاہور

قیمت پانچ آنے

۱۔ زرخیز کشمیر

کشمیر کی حسین وادی ساری دنیا میں مشہور ہے۔ شعرائے ملک نے اس کے گیت گائے ہیں۔ بیمار اپنی صحت ٹھیک کرنے کے لئے کشمیر آتے ہیں۔ کشمیر کی آب و ہوا صحت بخش ہے۔ وہاں کی زمین زرخیز ہے۔ اس وادی میں کیسے تندرست اور خوبصورت لوگ رہتے ہوں گے۔ جب سیاح کشمیر سے واپس آتے ہیں۔ تو اُن کے رخساروں پر رنگ آجاتا ہے۔ اور جسم میں توانائی دوڑ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کشمیر کے باشندے دودھ اور شہد میں نہلے ہوں گے۔ اور خوش حال اور آسودہ زندگی بسر کرتے ہوں گے۔

لیکن صرف کشمیر سے دور رہ کر یہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے۔ سیاحوں کے رخساروں پر جو رنگ چڑھتا ہے وہ کشمیر کے بچوں کے خون سے چرایا جاتا ہے۔

کشمیر کے درختوں کے پھل، وہاں کے میوے جو کشمیریوں کی محنت سے اور اُن کی زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو نصیب بھی نہیں ہوتے۔ وہ میوے پکنے بھی نہیں پاتے کہ لکڑی کے بکسوں میں بند کر کے ہندوستان کے دور دراز شہروں میں بھیج دیے جاتے ہیں۔ اور دوسرے انہیں کھا کھا کر موٹے ہوتے ہیں۔

کشمیر کی ۹۶ فیصدی آبادی کسانوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ساٹھ فیصدی کسان

ایسے ہیں جن کے پاس صرف سولہ کنال (   ) زمین ہے۔ جو خاندان
سولہ کنال زمین پر کاشت کرتا ہے۔ اس کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ ۸۷ روپیہ آٹھ آنہ
ہے۔

کشمیر کے افلاس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہاں ایک آدمی کی سالانہ آمدنی
کا تخمینہ گیارہ روپیہ ہے۔ ہندوستان کی سالانہ آمدنی ۵۶ روپیہ فی کس ہے۔
ہندوستان کی غریبی سے سب واقف ہیں۔ کشمیر کی غریبی پانچ گنا زیادہ ہے۔ یہ
ہے کشمیر کی اصلی تصویر۔

آخر کشمیر کی زرخیز وادی کی دولت جاتی کہاں ہے؟

یہ ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی ریاست ہے جس کا رقبہ ۸۴۴۷۱
مربع میل ہے۔ اس کی آبادی چالیس لاکھ ہے۔ اس کا مالیہ چار کروڑ سالانہ ہے۔
یہ ہندوستان کی نمبری سب سے زیادہ دولت مند ریاست ہے۔

وہاں بڑے بڑے دریا ہیں چشمے اور آبشار ہیں۔ جن سے برقی قوت پیدا کی جا سکتی
ہے۔ وہاں کی زمین میں بہت سے دفینے ہیں۔ کوئلہ، لوہا، تانبا، پیٹرولیم، سونا، گندھک،
ربڑ اور نہ معلوم کتنی دولت ہے جو اس کی کانوں کے نیچے [illegible] ہے۔

کشمیری قوم کی ذہانت اور چابک دستی کا کوئی جواب نہیں۔ دستکاری کا [illegible]
بنائی ہوئی چیزیں اپنے حسن نفاست اور نزاکت کے لئے ساری دنیا میں مشہور
ہیں۔ کشمیر کی شالیں محلوں میں شہزادیاں اور بیگمیں پہنتی ہیں۔ وہاں کا لکڑی کا کام اور
کشیدہ کاری آرٹ کا اعلیٰ نمونہ کہی جاتی ہے۔

پھر کشمیر کے لوگ بھوکے اور ننگے کیوں ہیں؟ جن کی زرخیز زمینوں سے سر سبزہ

شاداب درخت اُگتے ہیں اس کی قوم کے بچوں کا رنگ پیلا کیوں ہوتا ہے۔ ؟ وہ بیمار کیوں ہوتے ہیں۔ اور جوان کیوں مرجاتے ہیں؟

آخر کشمیر کی دولت جاتی کہاں ہے؟

انگریزوں کی جوتیاں چاٹنے والے مہاراج کی حکومت نے کشمیر کا خون چوس لیا ہے۔ کشمیر کی صنعت، حرفت، جودت اور طبع کو ترقی کرنے سے روک دیا ہے۔ کشمیریوں کی ذہانت کو کچل دیا ہے۔

کشمیر کے بجٹ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوجائے گا کہ کشمیر کیا ہے؟

کشمیر کی قومی تعمیر یعنی زراعت، صنعت وغیرہ کے لئے چار کروڑ میں سے صرف ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ صرف کیا جاتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس دوسرے محکموں کے اخراجات بہت زیادہ ہیں جنگ سے پہلے فوج کا سالانہ خرچ پچاس لاکھ تھا اور اب پچھتر لاکھ کے قریب ہے۔ یعنی قومی تعمیر کے مقابلے میں قومی تباہی کے لئے چھ گنا زیادہ روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ مہاراجہ کے ذاتی اخراجات کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے۔ مہاراجہ کا جیب خرچ ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ توشہ خانہ موٹر خانہ شکار خانہ اور سرکاری رسموں کے لئے ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ کی مد الگ ہے۔ شاہی محل کا الاؤنس پانچ لاکھ سالانہ مہاراج کی جاگیر کے معاوضے میں ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ۔ جنگی کی معافی کی رقم تین لاکھ سالانہ۔ یہ کل ساڑھے اکتالیس لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم ہے جو صرف ایک شخص کی ذات پر صرف ہوتی ہے۔

باقی روپیہ حکومت کے انتظامات پر صرف ہوتا ہے جس کے افسروں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔

یہ بجٹ کشمیر کی اصلی حالت کی چغلی کھا رہا ہے۔ کشمیر کے اتنے وسیع علاقے میں ایک ہزار سے بھی کم ابتدائی اسکول ہیں۔ صرف نو ہائی اسکول ہیں اور لڑکیوں کا ایک بھی کالج نہیں ہے۔ پوری ریاست میں صرف دو قابل ذکر ہسپتال ہیں۔ ایک سری نگر میں اور دوسرا جموں میں۔ سرکاری دواخانے بھی انگلیوں پہ گنے جا سکتے ہیں۔ آٹھ سو مربع میل رقبے اور اڑتیس ہزار آدمیوں کے لئے صرف ایک دواخانہ ہے۔

کشمیر کے حکمرانوں نے اس کی دست کاری کو تباہ کر دیا ہے۔ اس کی صنعت اور حرفت کو ترقی نہیں کرنے دیا ہے۔ اب وہ یہ ظلم کر رہے ہیں۔ کہ کشمیر کی معاشی زندگی کو ہندوستان کے سرمایہ داروں کے ہاتھ بیچ رہے ہیں وہ کشمیر کے مستقبل کو بھی فروخت کر رہے ہیں۔

انہوں نے ٹاٹا کی فرم سے صنعتی معاہدہ کیا ہے جس کی رو سے ٹاٹا کو کشمیر کی صنعت کو ترقی دینے یا اس کا گلا گھونٹ دینے کا پورا اختیار ہے۔ اس طرح بمبئی کی نیو انڈیا انشورنس کمپنی سے سات سال کا معاہدہ کیا گیا ہے۔ جس کی رو سے حکومت کشمیر کی جائداد اور ملکیت کا سارا بیمہ یہی کمپنی کرے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمیر میں بیمے کا کاروبار ترقی نہیں کر سکتا۔ اس سے سینکڑوں کشمیری خاندانوں کا نقصان ہوا ہے۔

کشمیر کا ماضی اور حال تو تاریک تھا ہی۔ اب حکمرانوں نے اس کے

مستقبل کو بھی تاریک کر دینے کی سازش کی ہے ۔

نیشنل کانفرنس

یہ غیر انسانی زندگی ناقابل برداشت ہے ۔ اس کو ختم کر کے ایک آزاد اور خوش حال زندگی کی تعمیر کرنے کے لیے اور کم سے کم اپنے بچوں کے مستقبل کو سدھارنے کے لیے کشمیری عوام پچھلے بیس برس سے جد و جہد کر رہے ہیں ۔ وہاں کی عوامی تحریک، اسی طرح شروع ہوئی ۔ جیسے ہندوستان کی قومی تحریک ۔ مطالبہ یہ تھا کہ وزارتی عہدوں سے اُن غیر کشمیریوں کو برطرف کیا جائے جنھوں نے کشمیریوں کا حق غصب کر لیا ہے ۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں ریاست کو مجبور ہو کر "ریاستی باشندے" کی اصطلاح کی وضاحت کرنی پڑی ۔ اس طرح درمیانی طبقے کے پڑھے لکھے نوجوانوں کو جن کی تعداد بہت تھوڑی تھی ۔ پہلی بار سرکاری ملازمت میں معقول تناسب ملنے کی امید ہوئی ۔ لیکن سنہ ۱۹۲۷ء کی "وضاحت" سے کشمیری عوام کا کوئی بھلا نہیں ہوا جن کی بہت بڑی اکثریت غلام کسانوں کی شکل میں مفلسی اور جہالت کی زندگی بسر کر رہی تھی ۔

اسی زمانے میں ہندوستانیوں کے جہاد آزادی کی خبریں کشمیر پہنچیں ۔ بہت سے نوجوان کشمیری سنہ ۱۹۲۹ء میں کانگریس کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے لاہور گئے ۔ وہ وہاں سے بہت سے نئے خیالات لے کر واپس

آئے۔ ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی۔ کہ کشمیر بھی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لے۔ ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی کی تحریک نے اس چنگاری کو بھڑکا دیا جو کشمیر کی راکھ میں دبی ہوئی تھی۔

اس طرح ۱۹۳۱ء میں "کشمیر کے عوام نے اپنی قسمت کی باگ خود سنبھال لی اور جابرانہ شخصی حکومت کے ہاتھوں سے اپنے شہری اور انسانی حقوق چھین لینے کے لئے عام جدوجہد شروع کی" (وزارتی مشن کے نام نیشنل کانفرنس کی یادداشت)۔

یہ تحریک ایک دم سے از خود شروع ہو گئی تھی۔ پہلے سے اس کی کوئی تنظیم نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک ریاست میں کوئی جماعت نہیں بن سکتی تھی۔ پھر بھی اس تحریک نے بڑی تقویت حاصل کی اور شہروں کے علاوہ دور دراز دیہات میں بھی پھیل گئی۔

ہندوستان میں کسی ریاستی تحریک کی روایات اتنی شاندار نہیں ہیں۔ کشمیری عورتوں نے اپنی صدیوں پرانی پردہ نشینی کو خیرباد کہہ دیا تمام دیرینہ روایات کو توڑ کر وہ اپنے گھر بار، شوہروں، بھائیوں، بیٹیوں اور اپنی عزت کی حفاظت کے لئے سڑکوں پر نکل آئیں۔

۱۹۳۱ء میں کشمیری عورتوں نے جس بہادری اور شجاعت کا ثبوت دیا ہے اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ اس سلسلے میں زونی کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہ پچیس برس کی نوجوان عورت ایک غریب دستکار کی بیوی تھی۔ وہ مہاراجہ کی ظالمانہ حکومت کے خلاف عورتوں کا ایک جلوس لے کر نکلی تھی۔
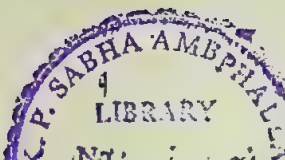
گھوڑوں پر سوار فوجیوں نے اپنے نیزوں سے اس جلوس پر حملہ کیا لیکن زونی اور دوسری مظاہرہ کرنے والی عورتیں پیچھے نہیں ہٹیں۔ اب وہ گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے تھیں اور ان کے سروں پر نیزوں کی نیز انیاں چمک رہی تھیں جو ایک لمحے میں ان کے جسموں کو چھید کر نکل جانے والی تھیں۔

ایک نیزہ زونی کے سینے کی طرف بھی آیا۔ زونی ذرا بھی نہیں جھجکی بلکہ اس نے ہاتھ بڑھا کر خونخوار نیزے کو پکڑ لیا۔ ایک جھٹکے میں اس کو سپاہی کے ہاتھ سے چھین لیا اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دئے۔

زونی کے ساتھ مظاہرہ کرنے والی نہتی عورتیں اس وقت تک لڑتی رہیں، جب تک وہ زخموں سے چور چور ہو کر گر نہیں گئیں۔ پھر وہ ہسپتال منتقل کر دی گئیں۔ زونی کا ایک پیر نیزے سے زخمی ہو گیا تھا۔ وہ بھی کئی دن تک ہسپتال میں پڑی رہی۔

لیکن زونی کے پاس آج بھی وہ ٹوٹا ہوا نیزہ رکھا ہے۔ جو کشمیری عورتوں کی بہادری اور شجاعت کی یادگار ہے۔ ہر کشمیری دل سے اس نام کی عزت کرتا ہے۔

کشمیر میں زونی کی طرح کی بے شمار بہادر عورتیں ہیں جن کے کارناموں پہ ہر ملک اور ہر قوم فخر کر سکتی ہے۔

۱۹۳۱ء کی جدوجہد میں کشمیر کے مزدور پیش پیش تھے۔ ریشم کے کارخانوں کے مزدور سب سے زیادہ نڈر تھے۔ ان کی تربیت اس لڑائیوں میں ہوئی تھی۔ جو انہوں نے ۲۳-۱۹۲۲ء میں اپنی مزدوریاں بڑھوانے کے لئے لڑی تھیں۔ انہوں

نے ریاست کی فوجوں کو مزہ چکھا دیا تھا۔ اب جب ۱۹۳۱ء میں حکومت کا ظلم و تشدد پھر بڑھا تو یہی مزدور سر سے کفن باندھ کر میدان جنگ میں اتر آئے۔

جبر و تشدد کا کوئی حربہ ایسا نہیں تھا جو ریاست نے استعمال نہ کیا ہو۔ تقریباً ہر جگہ گولیاں چلیں۔ سری نگر، جموں، بارہ مولا، موجور، آننت ناگ، میرپور، پونچھ، ہر جگہ سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ ہزاروں آدمیوں کے کوڑے لگائے گئے۔ ہزاروں کو جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ ایک نیا قانون بنا دیا گیا۔ کہ سب انسپکٹروں کے اختیارات بہت وسیع ہو گئے۔ اب وہ بغیر وارنٹ کے بھی جاہے جس کو گرفتار کر سکتے تھے۔ تلاشی لے سکتے تھے۔ سزا دے سکتے تھے۔ اس قسم کا قانون ایک بار برما میں وہاں کی مسلح بغاوت کو کچلنے کے لئے نافذ کیا گیا تھا۔ کشمیر کی حکومت نے بھی اپنے انگریز سامراجی آقاؤں سے یہ مظالم سیکھ لئے۔

جب مہاراجہ کا تمام جبر و تشدد بہادر کشمیریوں کی تحریک کو نہ کچل سکا تو اس نے اصلاحات کا اعلان کیا۔ عوام کی شکایات معلوم کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس نے سفارش کی کہ تمام فرقوں کو ملازمت میں معقول نمائندگی دی جائے، پریس اور جلسہ کرنے کی آزادی دی جائے۔ جو مذہبی مقامات ضبط کر لئے گئے تھے وہ واپس کئے جائیں۔ اور ایک نمائندہ اسمبلی قائم کی جائے۔

دستوری اصلاحات کی گلینسی کمیٹی نے سفارش کی کہ "جلد سے جلد اسمبلی قائم کی جائے" جس میں عوام کے چنے ہوئے ممبروں کی اکثریت ہو۔ اس

کے بعد ایک اور کمیٹی نے رائے دہندگان کا شمار کرنے میں دو سال لگادیئے
تب کہیں جاکر کشمیر اسمبلی کا پہلا الیکشن ہو سکا۔
کشمیری عوام نے ۱۹۳۱ء کے سبق کو فراموش نہیں کیا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۲ء
میں انہوں نے اپنی اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے پہلا قدم اٹھایا جس کا
احساس ۱۹۳۱ء کی تحریک میں ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی جماعت بندی شروع
کی۔

اس طرح جموں اور کشمیر مسلم کانفرنس قائم ہوئی۔ اس کے پہلے صدر شیخ
محمد عبداللہ تھے۔ جو آج شیر کشمیر کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ علیگڑھ یونیورسٹی
کے گریجویٹ ہیں اور ۱۹۳۱ء کی تحریک کے سب سے بڑے لیڈر۔
حالانکہ اس جماعت کا نام فرقہ دارانہ تھا لیکن شروع ہی سے اس نے
فرقہ پرستی سے احتراز کیا۔ شیخ عبداللہ نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کر:۔
"میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ہم اپنی تحریک کی پوزیشن واضح کردیں۔ یہ
فرقہ دارانہ تحریک نہیں ہے اور یہ کسی دوسرے فرقے کے خلاف نہیں ہے
ہم تمام فرقوں کے حقوق کے علمبردار ہیں۔ میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں
کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم ان کی مصیبتوں کو ختم کرنے کے لئے ویسی ہی کوشش
کریں گے جیسی مسلمانوں کے لئے . . . . ہمارے ملک کی ترقی اس وقت
تک ناممکن ہے جبتک ہمارے مختلف فرقوں کے باہمی تعلقات خوشگوار
نہ ہو جائیں۔"
حالانکہ اسی طور سے اس جماعت کا نام ۱۹۳۸ء تک تبدیل نہیں ہوا

لیکن شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے ہمیشہ اس پالیسی پر عمل کیا کہ تمام کشمیری متحد ہو کر وہاں کی جابرانہ شخصی حکومت کے خلاف محاذ بنائیں۔ مسلم کانفرنس کا اثر بڑی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا۔ ۱۹۳۴ء میں کانفرنس نے پھر ایک تحریک چلائی۔ یہ تحریک ۱۹۳۱ء کے برابر شدید نہیں تھی۔

اس کے بعد جب کشمیر اسمبلی کے الیکشن ہوئے تو مسلمانوں کی اکیس نشستوں میں سے انیس نشستیں مسلم کانفرنس نے جیت لیں۔ حالانکہ ووٹ دینے کا حق بہت تھوڑے سے لوگوں کو تھا۔ اس سے کانفرنس کے اثر و اقتدار کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس عرصے میں شیخ عبداللہ عوام کے ہیرو بن گئے اور لوگ ان کے ساتھ بڑی محبت اور احترام سے پیش آنے لگے۔

کشمیری پنڈتوں اور دوسری اقلیتوں میں بھی نئی بیداری پیدا ہو رہی تھی۔ یہی ۱۹۳۶ء میں مسلم کانفرنس نے ذمہ دار حکومت کے لئے ایک دن منایا۔ اس دن سری نگر، جموں اور پونچھ میں جو جلسے ہوئے ان کی صدارت زیادہ تر ہندوؤں اور سکھوں نے کی اور ان کے مقررین بھی زیادہ تر وہی تھے۔

اسی زمانے میں مزدوروں، کسانوں اور طلبا کی جماعتیں بھی بنیں۔

جب ۱۹۳۸ء میں مسلم کانفرنس نے اپنا نام بدل کر نیشنل کانفرنس رکھ لیا۔ اور اقلیتوں کے بہترین عناصر کو بھی اپنے اندر سمو لیا تو سرکاری حلقے خوفزدہ ہو گئے۔

۸ر اگست کو ذمہ دار حکومت حاصل کرنے کے لئے دن منایا گیا تھا۔ ۱۹ر اگست

کو شیخ عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کے گیارہ لیڈروں کے دستخط سے ایک
مینی فسٹو شائع ہوا جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ:۔
"ہماری تحریک کی پشت پناہی پر ایک زبردست جذبہ ہے۔ یہ وہ جذبہ
ہے جو بھوک اور فاقہ کشی سے تقویت حاصل کرکے ہماری تحریک کو مشکل
سے مشکل حالات میں بھی آگے بڑھا رہا ہے۔
"ہمارے پڑھے لکھے نوجوانوں اور غیر تعلیم یافتہ عوام میں بیروزگاری کی
بڑھتی ہوئی لعنت، بے شمار ٹیکسوں کی وصولی، بھاری مالیانے کا بوجھ، طبی انتظام
کی کمی کی وجہ سے انسانی زندگی کی تباہی، ہزاروں کشمیری مزدوروں کی بدحالی
جو ریاست کی سرحدوں سے باہر پڑے ہوئے حکومت کی بے اعتنائی کا شکار
ہو رہے ہیں۔ اور اس سب کے باوجود بیرونی سرمایہ داروں کے ساتھ
حکومت کی سرپرستی عنایتیں اور انعامات، اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسے
حکومتی انتظامات جن کا خرچ بہت زیادہ ہے اور بوجھ روز بروز بڑھتا جا
رہا ہے۔ یہ سب چیزیں صرف ایک ہی بات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور وہ
یہ کہ موجودہ حالات اس وقت تک ہرگز نہیں سدھر سکتے ہیں جبتک کہ موجودہ
طریق حکومت کے بنیادی اصولوں کو نہ بدلا جائے۔
"ہمارا نصب العین سچا ہے اور انصاف پر مبنی ہے ہم اپنی قسمت
کی تعمیر خود کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کی تشکیل اپنی مرضی کے مطابق
کرنا چاہتے ہیں"
اس کے جواب میں حکومت نے پھر جبر و تشدد شروع کیا سینکڑوں آدمی

اور تمام لیڈر گرفتار کرلئے گئے۔ اسمبلی اور میونسپلٹی کے ممبر، وکیل، جرنلسٹ، ڈاکٹر تجارت پیشہ لوگ، سب کو حکومت نے "گنڈا" قرار دے کر جیلوں میں ٹھونس دیا۔

جبر یہ قانون کے ذریعے سے حکومت کا تشدد جاری رہا۔ عوام کی قوت سے تحریک جاری رہی۔ پھر ایک بار صلح ہو گئی۔ لیڈر رہا کر دئے گئے۔ کشمیر کی قومی تحریک ایک منزل اور آگے بڑھ گئی۔

جنگ کے زمانے میں کشمیر کو غذا اور ایندھن کی کمی سے بہت نقصان پہونچا نیشنل کانفرنس نے عوامی کمیٹیاں بنا کر غذا کی تقسیم اور راشننگ کے انتظام میں ہاتھ بٹایا اور ذخیرہ اندوزی اور نفع خوری کی روک تھام کی۔ اس زمانے میں "مسلم کانفرنس" کے نام سے ایک نئی جماعت بن گئی تھی۔ جو مسلم لیگ کے زیر اثر ہے۔ اس کا تھوڑا سا اثر جموں میں ہے۔ اصلی کشمیر میں اس کا اقتدار کچھ نہیں ہے نیشنل کانفرنس نے غذائی مسائل میں اس جماعت اور دوسری جماعتوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کی پوری کوشش کی۔

نیشنل کانفرنس کی تمام کوششوں کے باوجود حکومت کی بدانتظامی اور افسروں کی بے ایمانی کی وجہ سے غذائی حالت بجائے سدھرنے کے اور زیادہ خراب ہوتی گئی۔ عوام جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو رہے تھے اور انکے غصے کا پارہ روز بروز چڑھتا جاتا تھا۔

مہاراجہ زیادہ دن تک کان میں تیل ڈال کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اس لئے اکتوبر ۱۹۴۱ء میں اس نے اعلان کیا کہ حکومت ملکی انتظامات میں "اسمبلی کے غیر سرکاری ممبروں کا تعاون" حاصل کرنے کے لئے تیار ہے۔

شیخ عبداللہ اور نیشنل کانفرنس نے اس پیشکش کو قبول کر لیا کیونکہ ان کا
خیال تھا کہ اس طرح وہ عوام کو بھوک، مفلسی اور غلامی کی زندگی سے باہر نکالنے
میں مدد کر سکیں گے۔ مہاراج کی کابینہ میں دو عوامی وزیروں کی جگہ تھی۔ ان میں
سے ایک جگہ کے لئے کانفرنس نے مرزا محمد افضل بیگ کو نامزد کیا جو نیشنل
کانفرنس کے کافی بڑے لیڈر ہیں۔

حکومت کی اس دوعملی کی حقیقت ایک فریب سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ اس
پر ہرگز تیار نہیں تھی کہ مرزا افضل بیگ اس کے پرانے لوٹ کھسوٹ کے طریقوں
میں کوئی مداخلت کریں۔ ایک غیر اہم قلمدان وزارت ان کے سپرد کر دیا گیا۔
ان کی بہت ہی معمولی اصلاحات کی تجویزوں کو بھی رد کر دیا گیا۔ باوجود اس کے
کہ انہیں حکومت کے رویے سے سخت اختلاف تھا۔ ان سے ہر مسئلے پر حکومت
کے ساتھ ووٹ دینے کے لئے کہا جاتا تھا۔ حالانکہ نیشنل کانفرنس کو حکومت
نے یہ یقین دلایا تھا کہ کانفرنس کا وزیر غیر جانب دار رہ سکتا ہے۔ اور خاص
خاص مسائل پر حکومت کے خلاف بھی ووٹ دے سکتا ہے۔

حکومت نے ابتدا ہی سے افضل بیگ کی راہ میں روڑے اٹکائے لیکن
نیشنل کانفرنس نے پھر بھی اپنے وزیر کو اس غلط فہمی کی وجہ سے واپس نہیں
بلایا کہ اس کا خیال تھا کہ اس طرح کشمیری عوام کی کچھ خدمت کی جا سکے گی۔
سرکاری حلقوں نے بھی اس معاملے کو زیادہ نہیں بڑھایا کیونکہ وہ چاہتے
تھے کہ اگر نیشنل کانفرنس کا برائے نام بھی تعاون رہے تو بہتر ہے۔

۳۔ کشمیر چھوڑدو

جنگ کے خاتمے کے بعد حالات ایک دم سے بدل گئے۔ برطانوی سامراجی تیسری عالمگیر جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس کے لیے وہ سوویٹ یونین کے اردگرد اپنے فوجی اڈے بنانا چاہتے تھے۔ اس شیطانی کام میں امریکی بھی ان کے شریک تھے۔

کشمیر کی جغرافیائی پوزیشن بہت اہم ہے۔ اس کی سرحد سوویٹ ایشیا تک جاکر تاجکستان (سوویٹ یونین کی ایک مسلم جمہوریت) سے مل جاتی ہے۔ کئی سال سے انگریزوں نے گلگٹ کے سرحدی علاقے پر مہاراج کشمیر کو کچھ روپیہ دیکر قبضہ کر رکھا ہے۔ وہاں انگریز اور ہندوستانی فوجیں سرحد کی "حفاظت" کرتی رہتی ہیں۔ دوران جنگ میں گلگٹ کو ایک بہت بڑا فوجی اڈا بنا دیا گیا۔ اس کا اپنا ہوائی اڈا ہے اور ایک عمدہ فوجی سڑک ہے جو ہندوستان کے دو بہتر علاقوں اور گلگٹ کے درمیان ہے۔ یہاں سے "وقت ضرورت" سوویٹ یونین پر بڑی آسانی سے حملہ کیا جا سکتا ہے۔ جنگ کے زمانے میں سری نگر کے بھی ہوائی اڈے نے ترقی کی۔ اب یہ اڈا محض مہاراجہ کی تفریح گاہ نہیں ہے۔ جہاں ان کے ذاتی ہوائی جہاز اڑتے ہوں۔ اب سری نگر اول درجے کا ہوائی اڈا بن گیا ہے اور گلگٹ کی پشت پناہی کر رہا ہے۔

امریکی اور انگریزی سامراج کے خفیہ فوجی منصوبوں میں کشمیر کو بہت زیادہ

اہمیت دی جاتی ہے۔ برطانوی مفاد کے پیش نظر کشمیر پر قبضہ ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جبتک کشمیر پر ڈوگرا مہاراج کا قبضہ ہے۔ تب تک وہ انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گا۔ لیکن اگر کشمیر کی قومی تحریک کامیاب ہو گئی اور اس نے وہاں کی جابرانہ شخصی حکومت کو ختم کر کے ذمہ دار عوامی حکومت قائم کر دی تو کشمیر امریکی اور انگریزی سامراج کا فوجی اڈا بانی نہیں رہ سکتا۔

کشمیر کی قومی تحریک روز بروز زیادہ طاقت ور ہوتی جا رہی تھی۔ اس لیئے حکومت ہند کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ (سیاسی محکمہ جو دیسی ریاستوں کی دیکھ بھال کرتا ہے) نے فیصلہ کیا کہ نیشنل کانفرنس کو کچل دیا جائے۔ مہاراج کی باچھیں کھل گیئں۔ ان کی منہ مانگی مراد مل گئی۔

حکومت کشمیر کے سب سے اہم محکمے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کے وفادار آدمیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ ان میں تین گورے ہیں اور ایک کالا ہے۔

کشمیر کا ریذیڈنٹ کرنل ویب ہے جو ہندوستان کی مختلف دیسی ریاستوں میں اپنے کرتوتوں کے لیے مشہور ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے وہاں سخت گیری شروع ہو جاتی ہے۔

کشمیر کی فوج کا کمانڈر ان چیف بریگیڈیر اسکاٹ ہے جو ہندوستانیوں کا جانی دشمن ہے۔

پولس کے انسپکٹر جنرل پاولی ہے۔ اُس کو جبر و تشدد کا کافی تجربہ ہے۔ یو۔ پی کے صوبے میں کانگرس کے خلاف وہ کافی سختیاں کر چکا ہے۔ اور اس کے ہاتھ ہندوستانیوں کے خون سے رنگے ہوتے ہیں۔

ان تین گورے فرعونوں کا خادم ایک بدبخت اور غدار ہندوستانی ہے۔ جس کا نام رائے بہادر رام چندر کاک ہے۔ وہ پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کا چہیتا ہے۔ کیونکہ وہ انگریزی سرکار کے احکامات کو بڑی وفاداری سے بجا لاتا ہے۔ کشمیر میں یہ چار فرعون پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کے احکامات پر عمل کرنے کے لئے موجود تھے۔ ان کا کام تھا۔ آزادی کے لئے لڑنے والی نیشنل کانفرنس کو کچلنا تاکہ کشمیر پر مہاراج ہری سنگھ کی حکومت اور انگریزوں کا اقتدار باقی رہے۔

ادھر برطانوی حکومت کشمیر کے لئے نئی پالیسی بنا رہی تھی۔ ادھر کشمیری عوام بھی غافل نہیں تھے۔

۱۹۴۵ء میں نیشنل کانفرنس نے بڑی ترقی کی اور اس کی تنظیم پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو گئی۔ سینکڑوں موضع اور دیہات کمیٹیاں بن گئیں۔ جو عوام کی روزمرہ ضروریات حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت کر رہی تھیں، پولس کے ظلم کے خلاف لڑ رہی تھیں۔ اور عوام کو "نئے کشمیر" کے لئے جدوجہد کرنے کا سبق پڑھا رہی تھیں۔

مزدور طبقے کے نئے عناصر جو پہلے کبھی کسی تحریک میں شریک نہیں ہوئے تھے بڑی تیزی کے ساتھ نیشنل کانفرنس کے جھنڈے کے نیچے منظم ہونے لگے۔ ان میں مہتر، تانگے والے اور ادنی کارخانوں کے مزدور تھے۔

پرانی یونینوں نے اور خصوصیت کے ساتھ ریشم کے مزدوروں نے عام ہڑتال کی تیاریاں شروع کیں۔ دوران جنگ کی مصیبتوں نے سینے میں جو آگ

بھڑکا دی تھی وہ ایک جوالا مکھی کی شکل میں پھوٹنے کے لئے بیتاب تھی۔

کشمیر کی عورتیں جو چاول اور ایندھن لینے کے لئے قطاروں میں کھڑی کھڑی تھک گئی تھیں اب زیادہ سے زیادہ تعداد میں نیشنل کانفرنس کے جلسوں میں شریک ہونے لگیں۔ وہ جد و جہد کے لئے سب سے زیادہ بیتاب تھیں اور اپنی مصیبتوں کے خلاف اعلان جنگ کا انتظار کر رہی تھیں۔

سری نگر کے گرد و نواح میں کسان تحریک اُبھر رہی تھی۔ جو زمینداروں کے مظالم کے خلاف اُٹھنا چاہتی تھی۔

قومی لیڈر، پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد جب اپنی رہائی کے بعد کشمیر گئے تو ان کے خیر مقدم کے لئے سری نگر میں بڑے بڑے مظاہرے ہوئے۔

اگست ۱۹۴۵ء میں نیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس سوپور میں ہوا۔ اس میں شریک ہونے کے لئے لوگ دور دراز مقامات سے پیدل چل کر آئے تھے۔ نیشنل کانفرنس کی پوری تاریخ میں پہلی بار یہ موقع آیا تھا کہ اس کے سالانہ اجلاس میں ایسے ایسے پچھڑے ہوئے علاقوں کے لوگ شریک ہوئے جیسے پونچھ اور چنانی کی جاگیرداریاں اور جموں کا صوبہ جہاں پہلے نیشنل کانفرنس کا اثر برائے نام تھا۔ یہ اس کا ثبوت تھا کہ کشمیری سماج کے سب سے زیادہ نچلے طبقے بیدار ہو رہے ہیں۔

سالانہ اجلاس کے بعد ۱۹۴۵-۴۶ء کے جاڑوں میں سارے کشمیر میں ہندوستان کی طرح عوامی جوش و خروش کے مظاہرے ہوئے جن سے نیشنل کانفرنس کی

طاقت دن دونی رات چوگنی بڑھتی گئی۔

ظاہر ہے کہ ان کے انقلابی حالات سے ہمارے سامراجی حکمران خوفزدہ ہو گئے۔ انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ اگر کشمیر کی تحریک اس طرح بڑھتی رہی تو وہ تیسری جنگ عظیم کے لئے کشمیر میں اپنے فوجی اڈے نہیں بنا سکیں گے۔

انہوں نے کشمیر کے تینوں سفید اور چوتھے کالے فرعون کے نام تفصیلی احکامات جاری کئے اور نیشنل کانفرنس کو کچل دینے کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں پہلا قدم یہ تھا کہ نیشنل کانفرنس کے وزیر مرزا افضل بیگ کو برطرف کر دیا جائے۔ اس کے لئے کافی ہوشیاری اور چالاکی کی ضرورت تھی۔ کاک نے یہ حکم بجالانے کے لئے کافی "ذہانت" سے کام لیا۔ افضل بیگ کے ساتھ اس کا اس کا برتاؤ روز بروز ناقابل برداشت ہوتا جاتا تھا۔ عوامی وزیر کے اختیارات کم ہوتے جاتے تھے۔ افضل بیگ کی اطلاع کے بغیر خود ان کے علاقے میں جبریہ قانون (آرڈیننس) جاری کر دئے گئے۔ آخر اپریل ۱۹۴۶ء میں نیشنل کانفرنس کو مجبور ہو کر اپنا وزیر واپس بلانا پڑا۔

فوراً ہی تینوں سفید فرعون اُٹھ کھڑے ہوئے اس کے ساتھ چوتھا کالا فرعون بھی تھا۔

بریگیڈیر اسکاٹ اور مسٹر پاول نے سری نگر شہر کا دورہ کیا اور عوامی بغاوت کے خلاف شہر کے حفاظتی انتظامات مکمل کئے۔

اس دوران میں سکاٹ نے اپنی فوج کو لیس کیا۔ کشمیر کی جو دو رجمنٹیں باہر تھیں وہ واپس بلالی گئیں۔

کاک نے ریاست کے کونے کونے میں جبریہ قوانین نافذ کر دیئے۔ گویا سارا کشمیر میدان جنگ بن گیا۔

اب کاک نے نہایت ہی زہریلا پروپگنڈا شروع کیا۔ یونائیٹڈ پریس کا نمائندہ (جو ہندوستان ٹائمس کی طرح کے اونیشنلسٹ اخبارون کا بھی نمائندہ تھا) کاک کا بھتیجا تھا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کا نمائندہ ایک سرکار پرست قوم دشمن شخص ریڈی تھا۔ پنجاب کے بہت سے اخبارں کو سرکاری خبریں چھاپنے کے لیے مہاراجہ کشمیر کی طرف سے روپیہ دیا جاتا تھا۔ ان اخباروں سے واضح اشاروں میں کہہ دیا گیا کہ اگر انہوں نے مہاراج کی حمایت نہ کی تو یہ رقم بند کردی جائے گی۔ کشمیر کے پبلسٹی افسر کو لاہور۔ دہلی۔ بمبئی اور الہ آباد بھیجا گیا تاکہ وہ اہم اور بڑے اخبارات کے ایڈیٹروں اور اخباری نمائندوں سے مل کر تعلقات قائم کرے۔

پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ نے کاک کو دو قسم کا پروپگنڈا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک تو وہی پرانا پروپگنڈا جو انگریز اب تک استعمال کرتے رہے ہیں یعنی روس کا ڈر اور کمیونسٹوں کا خطرہ۔ اس سلسلے میں جھوٹی خبریں بھیجی گئیں کہ "روسی ملا مسجدوں میں تبلیغ کر رہے ہیں" اور "بیرونی اثرات کے ماتحت کمیونسٹ شیخ عبداللہ کو ایک حربے کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔ اور روس کے لئے زمین تیار کر رہے ہیں۔"

دوسرے قسم کے پروپگنڈے کی بنیاد اس پر تھی کہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔ یعنی کشمیر نیشنل کانفرنس قومی جماعت نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کی تحریک ہے

جو مہاراج کے خلاف اس لئے ہے کہ وہ ہندو ہے۔
کاک نے یہ دونوں طرح کا پروپگنڈا خوب کیا۔ پولٹیکل ڈپارٹمنٹ اس کی کارگزاری سے خوش ہو گیا ہو گا۔
اب حکومت کشمیر وار کرنے کے لئے تیار تھی۔

× × ×

کشمیر میں افضل بیگ کی وزارت سے علیحدگی کے بعد دو عملی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس سے عوامی تحریک کو نئی قوت ملی۔
وزارتی مشن کے پاس نیشنل کانفرنس نے جو اپنی تاریخی یادداشت بھیجی ہے۔ اس میں لکھا تھا کہ :۔
آج کشمیری عوام کا قومی مطالبہ صرف یہ نہیں ہے کہ ذمہ دار حکومت قائم ہو جائے بلکہ وہ ڈوگرا خاندان کی جابرانہ شخصی حکومت سے مکمل آزادی کا حق مانگتے ہیں۔"
اس یادداشت میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ۱۸۴۶ء کا "بیعنامۂ امرتسر" توڑ دیا جائے جس کی رو سے انگریزوں نے کشمیر کو پچھتر لاکھ روپے میں ڈوگرا خاندان کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔
"کوئی تجارتی معاہدہ خواہ وہ کتنا ہی مقدس اور قابل احترام کیوں نہ ہو چالیس لاکھ سے زیادہ مردوں اور عورتوں کو ایک جابر حکمران کی غلامی پر مجبور نہیں کر سکتا جب کہ وہ اس کی حکومت کو برداشت کرنے کے لئے بالکل تیار نہ ہوں۔"
اب کشمیر کی سڑکوں پر وہاں کی وادیوں میں وہ نئے نعرے گونج رہے

تھے —

"بیعنامۂ امرت سر کو توڑ دو"

"کشمیر کو چھوڑ دو"

ہر روز بڑے بڑے جلسے ہوتے تھے جن میں شیر کشمیر شیخ عبداللہ کشمیر کے مہاراج اور اس کی جابرانہ حکومت کی پول کھولتے تھے۔

امر سنگھ کالج کے طلبا اپنے مطالبات کے لیے ہڑتال کر رہے تھے۔

سرکاری ریشم کے کارخانے کے مزدور میدان عمل میں اترنے کی تیاری کر رہے تھے۔ سمجھتے اور نرمی سے ان کے مطالبات پورے نہیں ہو سکے تھے اور اب وہ جانوروں کی سی زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔

کشمیری پنڈتوں میں بھی ایک نئی سیاسی بیداری پیدا ہو رہی تھی ان کی ایک بہت بڑی تعداد نے، کشمیری پنڈتوں کے ادارے کی رجعت پرست پالیسی کے باوجود مہاراجہ کی حکومت کی مذمت اور شیخ عبداللہ کی حمایت میں ایک بیان شائع کیا اور اپنی ذات والوں سے درخواست کی کہ وہ مسلمان بھائیوں کے دوش بدوش آزادی کی جدوجہد میں شریک ہوں۔

اس کے ساتھ ساتھ نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے درمیان گفتگو ہوئی اور مسلم کانفرنس کے بہت سے نوجوانوں نے نیشنل کانفرنس کی "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک سے تعاون کرنے کے لئے بیتابی کا اظہار کیا۔

۱۵ رجون کو شیخ عبداللہ نے اعلان کیا کہ پوری ریاست میں مہاراج کی حکومت کے متعلق رائے لی جائے۔ اس سے خوفزدہ ہو کر مہاراج نے پولٹیکل

ڈپارٹمنٹ سے آخری احکامات طلب کرے۔

۲۰ مئی کو شیخ عبداللہ پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کرنے کے لئے سری نگر سے روانہ ہوگئے۔ پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ اس ملاقات کے خلاف تھا۔ چنانچہ فوراً جنگی کارروائی شروع ہوگئی۔ فوجیں میدان میں اُتر آئیں۔ مارشل لا کا اعلان ہوگیا۔ شیر کشمیر شیخ عبداللہ اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

تینوں سفید فرعونوں اور ان کے غلام کاک نے اطمینان کی سانس لی۔ نئی دہلی کے احکامات پر عمل کرکے وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کشمیر کی قومی تحریک کچل دی گئی۔

۴۔ جوالا مکھی

ان کا اندازہ غلط نکلا۔ ان کے تشدد سے کشمیر کی قومی تحریک مر نہیں سکی بلکہ نیا کشمیر پیدا ہوگیا جس کی ہمت اور بہادری ہمیشہ یادگار رہے گی۔

عوام کے فاقہ کشی سے سوکھے ہوئے جسموں میں نہ جانے کہاں سے بجلی کی سی طاقت آگئی۔ وہ حکومت کے تشدد کے خلاف شیروں کی طرح لڑے۔ ان کی روح ناقابل شکست تھی۔

پہلے ہی دن ۲۰ مئی کو جب شیر کشمیر اور ان کے ساتھی گرفتار کیے گئے تھے

سری نگر میں فوج اور عوام کے درمیان بیس بار جھڑپ ہوئی۔
کشمیر کے حکمرانوں نے برسوں پہلے اس دن کی تیاری کی تھی۔ انہوں نے قانون بنا دیا تھا کہ کشمیر کی فوج میں کوئی کشمیری داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کشمیر کی فوج میں تمام سپاہی غیر کشمیری ہیں۔ ڈوگرے اور راجپوت۔ جن کے فرقہ وارانہ جذبات اور تعصبات میں یہ کہہ کر اشتعال پیدا کیا گیا کہ "جنگلی مسلمانوں سے ڈوگرا ہندوؤں کے راج کو بچا دو"
اب کیا تھا۔ سپاہی پاگل کتوں کی طرح حملہ کرنے لگے۔ وہ آدمی کی پرچھائیں دیکھتے ہی گولی چلا دیتے تھے۔ ان کے نزدیک مرد، عورتیں، بچے، سب یکساں طور سے خطرناک تھے اور سب کی ایک ہی سزا تھی۔ موت۔ ڈوگرا سپاہی موت کے سپاہی تھے۔
آج کی فوج ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۸ء کی فوج سے مختلف تھی۔ یہ گھوڑوں پر سوار فوج نہیں تھی بلکہ جدید ترین اسلحہ سے مسلح فوج تھی جس نے دوسری جنگ عظیم کے میدان میں تربیت پائی تھی۔
کشمیریوں کے لئے یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ جنگجو نہیں ہیں۔ ان کی بزدلی کی کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ لیکن ۲۰ مئی کو اس جھوٹ کا پردہ چاک ہو گیا۔ اس دن سے روز اس جھوٹ کے پردے چاک ہو رہے ہیں۔
کوئی کشمیری مرد، عورت یا بچہ ظالم ڈوگرا سپاہیوں کے ہاتھ میں بندوق دیکھ کر پیچھے نہیں ہٹا۔ کشمیری عوام بہادری کے ساتھ مسلح فوجوں کے خلاف لڑتے رہے اور آج تک لڑ رہے ہیں۔

حکومت کے اعلانات نے چلانا شروع کیا "یہ منظم بغاوت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام نے اپنی مدافعت کس شاندار طریقے سے کی۔ لیکن حکومت کو معلوم تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ پھر بھی وہ "منظم بغاوت، منظم بغاوت" چلاتی رہی۔ کشمیر کے عوام اس آگ میں تپ کر فولاد بنے ہیں۔ جس آگ میں تپ کر کلکتہ، بمبئی اور دہلی کے عوام نے فوج کے تشدد کے خلاف لڑنا سیکھا۔ انہوں نے اس وقت لڑنا سیکھا جب انہیں اپنے جسموں اور خالی ہاتھوں سے اپنے گھروں کی، اپنی عورتوں کی، اپنے بچوں کی اور اپنے ملک وقوم کی زندگی اور عزت بچانے کی ضرورت پڑی۔

عوام کی اس تحریک کی رہنمائی روپوش لیڈروں نے کی جن میں پیش پیش غلام محی الدین تھے۔ وہ سری نگر نیشنل کانفرنس اور کشمیر مزدور یونین کے صدر اور شیخ عبداللہ کے بڑے مخلص اور قابل اعتماد ساتھی ہیں۔ وہ اور ان کے ساتھی دوسرے روپوش لیڈر، محلہ محلہ، شہر شہر اور گاؤں گاؤں چکر لگاتے رہے۔ اور عوام تک "نئے کشمیر" کا پیام پہونچاتے رہے۔ انہوں نے عوام کو سمجھایا کہ نیشنل کانفرنس ڈوگرا حکمرانوں سے کیوں کہتی ہے کہ "کشمیر چھوڑ دو" اس طرح انہوں نے کشمیری عوام کو لڑنے کے لئے منظم کیا۔ پولس اور فوج ان کے پیچھے سائے کی طرح لگی ہوئی تھی، لیکن یہ روپوش لیڈر آندھی اور طوفان کی طرح کام کر رہے تھے۔

یہ روپوش لیڈر جب چاہتے جب مسجدوں اور دوسرے پبلک مقامات پر ظاہر ہو جاتے تھے اور بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے تقریر کر کے فوراً غائب

ہو جاتے تھے۔ کشمیر کی روپوش جنگی کونسل کے لئے ہر کشمیری کا گھر قلعہ اور
پناہ گاہ تھا۔

دیواروں پر یکایک بڑے بڑے اشتہارات لگے ہوئے نظر آنے تھے۔
ریزیڈنٹ کے باغ میں، مہاراج کے محل میں، ہر جگہ یہ بڑے بڑے پوسٹر
دکھائی دیتے تھے جن پر آتشیں حرفوں سے لکھا ہوتا تھا۔ "کشمیر چھوڑ دو"۔
تشدد کا مقابلہ کرنے کے لئے روز نئے طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔
پولس کے کتوں سے بچنے کے لئے نئی نئی ترکیبیں نکالی جاتی تھیں۔
رات کے وقت جب ہر طرف سناٹا چھایا رہتا تھا۔ سڑک پر گشت لگاتے
ہوئے فوجی سپاہی "کشمیر چھوڑ دو" کا فلک شگاف نعرہ سن کر دیوانوں
کی طرح ادھر ادھر دوڑنے لگتے تھے۔ سارا شہر اس نعرے سے گونج اٹھتا
تھا۔ در و دیوار سے یہ نعرہ بلند ہوتا تھا۔ سپاہی ایک آواز کی طرف دوڑتے
تھے۔ تو دوسری طرف اور زیادہ تیز آوازیں آنے لگتی تھیں۔
۲۶ مئی کو سینکڑوں کتے سڑکوں پر گھومتے ہوئے دکھائی دئے۔ ان کے
گلوں میں چھوٹی چھوٹی تختیاں بندھی تھیں جن پر لکھا تھا "کشمیر چھوڑ دو"
سپاہیوں نے ان پر گولیاں چلائیں اور انہیں ہلاک کر دیا۔
سینکڑوں جلوس نکلے۔ ان پر لاٹھیاں برسیں گولیاں برسیں لیکن
جلوس نکلتے رہے، نعرے لگاتے رہے، لڑتے رہے، گولیاں کھاتے رہے
لیکن کبھی ہار نہیں مانی۔ یہ سب کچھ ان علاقوں میں بھی ہوا جہاں کبھی پہلے
نیشنل کانفرنس کا نام تک نہیں سنا گیا تھا۔ جیسے سارے کشمیر کی روح

جاگ اُٹھی تھی۔

دوسری جون کو جواہر لال نہرو کے اعلان کے مطابق یوم کشمیر منایا گیا۔ اس دن سارے کشمیر میں ہڑتال ہوئی۔ جلسے، جلوس، مظاہرے اپنی معراج پر تھے حالانکہ سری نگر میں سپاہی طاعون کے جراثیم کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ شام کے وقت خانقاہ معلّٰی میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا اور یکے بعد دیگرے بہت سے مقررین نے تقریریں کیں سنگینوں اور گولیوں کی زد پر بہادر کشمیری اپنا سینہ کھولے کھڑے تھے۔

تیسری جون کو شیخ عبداللہ کے خلاف بغاوت کے مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ فوج نے "عدالت" کے گرد گھیرا ڈال لیا اور کسی کو قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا۔

لیکن کشمیر نے اپنے رہنما کی مدافعت اس طرح کی جس کی مثال شاید ہی کہیں تاریخ میں نظر آئے۔ ایسی مدافعت صرف وہی قوم کر سکتی ہے جو میدان جنگ میں سر بکف لڑ رہی ہو۔

ہر جگہ سڑکوں پر اور چوراہوں پر چھوٹے چھوٹے جلسے ہوئے ہر مقرر نے وہ الفاظ دہرائے جو شیخ عبداللہ کی زبان سے نکل چکے تھے اور جن کی وجہ سے ان پر مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ ہر کشمیری کی زبان پر شیخ عبداللہ کی تقریر تھی۔ گویا پوری کشمیری قوم "عدالت" کو چیلنج دے رہی تھی کہ اگر شیر کشمیر پر مقدمہ چلانا ہے تو پوری کشمیری قوم پر مقدمہ چلاؤ۔ جسے تم باغیانہ تقریر کہتے ہو وہ اب ایک آدمی کی تقریر نہیں ہے بلکہ پوری قوم کا جنگی نعرہ اور آزادی کا

نشانہ ہے۔

۱۱ جون کو پولس نے دوبارہ شیخ عبداللہ کو عدالت کے سامنے پیش کیا۔
اس دن ایک اور زبردست مظاہرہ ہوا۔ یہ بھی آپ اپنی مثال تھا۔

ہزاروں کشمیری عدالت کی طرف جانا چاہتے تھے لیکن فوج نے انہیں روک دیا۔ لیکن لوگ ڈٹے رہے وہ اپنے ہر دلعزیز رہنما کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ کشمیر زندہ ہے اور ظلم و تشدد کے خلاف لڑ رہا ہے۔ وہ خود اپنے رہنما کے پاس نہیں جا سکتے لیکن ان کی آواز کو وہاں تک جانے سے کون روک سکتا تھا۔ انہوں نے مل کر، ایک آواز ہو کر نعرے لگائے۔ سارا شہر نعرے لگا رہا تھا۔ ہزاروں گلوں سے ایک ساتھ آوازیں نکل رہی تھیں، ایک ایک اینٹ، ایک ایک پتھر، ایک ایک ذرہ انہیں الفاظ کو دہرا رہا تھا۔ یہ کشمیر تھا۔ زندہ اور جنگجو کشمیر جسے کوئی نہیں دبا سکتا کوئی نہیں کچل سکتا۔

میں نے اب تک اس تشدد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جو کشمیر میں ہو رہا ہے کشمیر ایک بہت بڑا جلیانوالا باغ بن گیا ہے۔ کئی روز تک یہ حکم جاری اور نافذ رہا کہ ہر کشمیری خاص خاص جگہوں سے گزرتے ہوئے پیٹ کے بل لیٹ کر رینگے۔ ہر پل پر سنگینیں چمک رہی تھیں۔ پل پر سے گزرنے والے ہر شخص کو اپنے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر ایک پیر سے اُچک اُچک کر چلنا پڑتا تھا۔ سڑک کے ہر موڑ پر ڈوگرا سپاہی راہ چلتے کشمیریوں کو پکڑ لیتے تھے اور انہیں نعرہ لگانے پر مجبور کرتے تھے۔ "مہاراج بہادر کی جے" معلوم نہیں کتنے آدمیوں نے یہ نعرہ لگانے سے انکار کیا اور ڈوگروں کی گولیوں کا شکار ہو گئے۔ لیکن مجھے

یہ معلوم ہے کہ ہزاروں آدمیوں نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا کیونکہ وہ "مہاراج بہادر زندہ باد" کا نعرہ لگا کر اپنے نفس اور اپنے ملک و قوم کی عزت کو بٹہ نہیں لگانا چاہتے تھے۔

عورتوں کے مظاہروں پر لاٹھیاں چلانا اور گولیاں برسانا ڈوگروں کے لیے معمولی بات تھی۔ لیکن کشمیر کی عورتوں نے ہمت نہیں ہاری۔ فوجی حملے کے وقت وہ منتشر ہو جاتی تھیں اور پھر جمع ہو کر مظاہرہ کرنے کے لیے آگے بڑھتی تھیں۔

خانقاہ معلّی کی دیواروں اور فرش پر گولیوں کے نشان اور خون کے دھبّے مہاراج کشمیر کی فوج کی وحشیانہ حرکتوں پر گواہ ہیں۔

وکیلوں اور ڈاکٹروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی پگڑیوں اور قمیصوں سے سرینگر کی سڑکیں صاف کریں۔ کتابوں میں آگ لگا دی گئی۔ سڑکوں اور چوراہوں پر کشمیری محبان وطن کے کوڑے لگائے گئے۔

کشمیر کی جیلیں موت کا گھر بن گئیں۔ کتنے ہی قیدیوں نے اپنی جانیں دے دی۔ قیدیوں کو جس طرح اذیت دی گئی۔ اس کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ روپوش لیڈروں کی تلاش و جستجو میں ڈوگروں نے عورتوں اور بچوں تک کو نہیں بخشا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دے کر ان کے لیڈروں کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔

اکیلے سری نگر شہر پر صرف دو لاکھ روپیہ کا جرمانہ کیا گیا ہے جو زبردستی وصول کیا جا رہا ہے۔ روپوش لیڈروں کی لاکھوں روپیے کی جائدادیں ضبط

کر لی گئی ہیں۔

لیکن ان تمام مظالم کے باوجود بھی کشمیری عوام کے جذبۂ آزادی کو کچلا نہیں جا سکا۔ اس کے برعکس کشمیر کی جدوجہد روز بروز زیادہ شدید ہوتی گئی۔ حکومت کا تشدد جتنا بڑھتا گیا عوام کی لڑائی بھی اتنی ہی سخت ہوتی گئی۔ کشمیر جہاں پھول نکلتے تھے آج اس کے سینے سے ایک جوالا مکھی پھوٹ نکلا ہے۔ دُنیا کی آزادی کی جدوجہد کی تاریخ میں کشمیر کا حال سونے کے حرفوں سے لکھا جائے گا۔

۵۔ پنڈت نہرو کی آمد

ایک مہینے تک مہاراج اور کاک کے تشدد کی وجہ سے کشمیر دوزخ کا نمونہ بنا رہا۔ تب کہیں جا کر پنڈت جواہر لال نہرو نئی دہلی سے سری نگر کے لئے روانہ ہوئے۔ اس ایک ماہ میں حکومت کشمیر نے پوری کوشش کی تھی کہ ہندوستان کی قومی جماعت اور اس کے لیڈر کشمیری عوام کی مدد نہ کریں۔

مسلم لیگ نے تو بڑا آسان راستہ ڈھونڈھ لیا۔ چونکہ نیشنل کانگرس مسلم لیگ کے ساتھ نہیں ہے۔ اس لئے مسٹر جناح کے نزدیک وہ "ہندوؤں کی کٹھ پتلی ہے"۔ اس کے علاوہ مسلم کانفرنس (جو لیگ کے ساتھ ہے) کے لیڈر نیشنل کانفرنس کے خلاف ہے اور وہ اپنے باہمی اختلافات کی وجہ سے

اتنے اندھے ہو گئے کہ انہوں نے اپنے کشمیری بھائیوں (مسلمان بھائیوں) کی مصیبتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ کشمیری عوام اور حکومت کی ٹکر میں مسلم کانفرنس کے لیڈروں نے جو رویہ اختیار کیا وہ غیر جانبداری سے بھی زیادہ بدتر تھا۔ غرض مسٹر جناح اور مسلم کانفرنس کے رویے سے مہاراجہ کشمیر کو تقویت پہونچی۔

لیکن کانگریس مسلم لیگ کا سا رویہ نہیں اختیار کر سکتی تھی نیشنل کانفرنس کانگریس کا ایک نہایت مضبوط بازو ہے شیخ عبداللہ کانگریس کے دوست اور حمایتی ہیں۔

سب سے پہلے جواہر لال نہرو نے کشمیر کے متعلق اظہار خیال کیا اس کے بعد خان عبدالغفار خاں اور مولانا آزاد نے۔ لیکن وہ تینوں زبانی باتوں کی حد سے آگے نہیں بڑھے۔

مہاراجہ کشمیر نے سرکار پرست ہندوؤں کا ایک وفد روانہ کیا" تاکہ وہ شیخ عبداللہ کے خلاف کانگریس کی رائے ہموار کرے۔ بجائے اس کے کہ اس وفد کے ساتھ بات کرنے سے انکار کر دیا جاتا بہت سے کانگریسی لیڈر، مثلاً سردار پٹیل نے اس سے بات چیت کی اور وفد اس یقین کے ساتھ کشمیر واپس گیا کہ کانگریس شیخ عبداللہ اور نیشنل کانفرنس کی مدد کرنے کے لئے کچھ بہت زیادہ آمادہ نہیں ہے۔ اس وفد کی ہمت افزائی اس سے بھی ہوئی کہ پنڈت نہرو نے ریاست کے تشدد کے متعلق بہت سے الزامات واپس لے لئے۔ وفد کے نزدیک یہ اس کی علامت تھی کہ کانگریس

کشمیر کی حکومت سے سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہے۔

اس کے علاوہ آل انڈیا اسٹیٹس پیوپلس کانفرنس (پرجامنڈل) کی جنرل کونسل کے اجلاس دہلی میں کشمیر کے متعلق جو رویہ اختیار کیا گیا۔ اس سے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کی ہمت بڑھ گئی۔ کشمیر کے متعلق جنرل کونسل کی تجویز کمزور تھی۔ اور اس کا تو اس میں کہیں ذکر ہی نہ تھا کہ کشمیر کی امداد کے لئے مختلف دیسی ریاستوں سے جتھے بھیجے جائیں۔ مصیبت زدہ کشمیریوں کی امداد کے لئے کوئی فنڈ تک نہیں کھولا گیا۔

پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کے سفید فرعونوں کی ہمت افزائی سب سے زیادہ سردار پٹیل کی تقریر سے ہوئی۔ جو انہوں نے جنرل کونسل کے سامنے کی۔ اس تقریر کے بعض اہم حصے حسب ذیل ہیں۔

"ذاتی طور پر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ وقت آگیا ہے کہ الگ الگ جد وجہد کرنے کے بجائے ہم تمام دیسی رجواڑوں سے ایک ساتھ سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔ اکا دکا والیان ریاست سے لڑکر ہمیں اپنی طاقت نہیں ضائع کرنی چاہئے۔ بڑا اچھا ہوتا اگر دونوں جماعتوں (پرجامنڈل اور رجواڑوں کی جماعت) کے درمیان سمجھوتہ ہو جاتا۔ اس کے لئے کافی اچھا موقع ہے۔

"حکومت (کشمیر) کے خلاف جو بڑے بڑے الزامات عائد کئے گئے ہیں ان کی تردید ہو گئی ہے۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ عہد نامہ (بیعنامہ) امرتسر کا سوال اٹھانا عقلمندی تھی یا نہیں۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ مہاراج کو ان کی گدی سے اتار دیا جائے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ شیخ عبداللہ کس حد تک حق بجانب تھے۔ لیکن حقیقت یہ

ہے کہ شیخ عبداللہ نے "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک شروع کرنے سے پہلے اپنی جماعت (پرجا منڈل) یا اپنے صدر (جواہر لال نہرو) سے مشورہ نہیں کیا۔ اس وقت سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ کشمیر میں سمجھوتہ ہو جائے۔

"اب تک ہم سے اور دیسی رجواڑوں سے جھگڑا رہا ہے۔ لیکن اب آزادی کی منزل قریب آ گئی ہے ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ آزادی مل جانے کے بعد بھی وہ دیسی رجواڑے، اتنے ہی بڑے رہیں گے جتنے پہلے تھے۔ اُن کے دل میں بھی حب الوطنی کا جذبہ موجود ہے۔ جب ہندوستان آزاد ہو جائے گا۔ تو یہ جذبہ ضرور پھلے پھولے گا۔"

پنڈت نہرو کے کشمیر میں داخل ہونے کے بعد ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا اس کی ذمہ داری اس تقریر پر ہے۔ پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے اس تقریر کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیا اور یہ نتیجہ نکال لیا کہ کانگرس کشمیر کے متعلق کچھ بہت زیادہ بیتاب نہیں ہے۔ اور جواہر لال نہرو کی پشت پناہی پوری ورکنگ کمیٹی نہیں کرے گی۔ اس لئے یہ احکامات جاری کر دیئے گئے کہ نہرو کو کشمیر میں داخل ہونے سے روک دیا جائے۔ وہ واپس چلے جائیں گے اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔ اس طرح دیسی رجواڑوں کو پرجا کی عوامی جماعتوں کے مقابلے میں بہت بڑی فتح ہو گی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ سبھی جانتے ہیں۔ پنڈت نہرو کو کشمیر میں گرفتار کر لیا گیا اور مولانا آزاد نے انہیں واپس بلا لیا۔ پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کا خیال اس حد تک صحیح نکلا۔

لیکن ایک اور قوت بھی تھی جس کا جائزہ پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے نہیں لیا تھا۔ اور وہ عوام کی قوت تھی۔

نہرو کی گرفتاری پر سارے ہندوستان میں احتجاج کا ایک طوفان برپا ہو گیا بمبئی، مدراس، کلکتہ اور ایسی ریاستوں اور انتہا یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور گاؤں میں ہڑتالیں، جلسے اور مظاہرے ہوئے۔ پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کی اس احمقانہ حرکت سے کشمیر کی تحریک آزادی کو بڑی تقویت پہونچی اور ساری دنیا کی نگاہیں اس خوبصورت وادی کی طرف مڑ گئیں جہاں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت نے ظلم و تشدد کا ایک طوفان برپا کر رکھا تھا۔

خود کشمیر میں نہرو کی گرفتاری کا یہ اثر ہوا کہ عوامی جدوجہد کی لہر اور زیادہ اونچی ہو گئی "نہرو کو رہا کرو" کا نعرہ لگاتا ہوا سارا کشمیر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تین دن بڑے ہیجان اور ولولے کے دن تھے۔ تشدد اپنے شباب پر تھا۔ عوام کی شجاعت اپنے شباب پر تھی۔ لیکن انہیں تین دنوں میں کشمیریوں کی امیدوں پر پانی بھی پھرا۔

پنڈت جی کی واپسی پر کشمیر کے باشندوں کو کتنی ناامیدی ہوئی یہ الفاظ میں نہیں بیان کی جا سکتی۔ انہیں نہرو سے بڑی آس تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ نہرو آئے گا اور اس کے پیچھے پیچھے سارا ہندوستان کشمیر کی طرف دوڑتا ہوا آئے گا اور راس قید خانے کی دیواریں توڑ دے گا۔

لیکن پنڈت جی کشمیری مجاہدوں اور عوام کی امیدوں کے قلعے کو مسمار کر کے واپس چلے گئے۔ پھر بھی کشمیریوں کی ہمت کم نہیں ہوئی۔ ان کے دل نہیں بیٹھے۔ وہ مہاراجہ ہری سنگھ کی جابرانہ حکومت کے خلاف اسی شان سے لڑتے رہے۔ ۲۶ رجون کو وزیر اعظم کاک کے دفتر کی عمارت میں آگ لگ گئی۔ یہ کشمیریوں کے غصے

کی آگ تھی جس کے شعلے آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے۔

۶۔ سمجھوتے کی تیاریاں

کشمیر سے پنڈت نہرو کی واپسی کے بعد ریاستی حلقوں میں بڑی دوڑ دھوپ شروع ہوئی۔ پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے محسوس کیا کہ ریاستی پرجا کے ساتھ پرانے طریقے اب بیکار ہو گئے ہیں۔ اب گولیاں اور سنگینیں کام نہیں کر سکیں گی۔ ایسے کشمیر کے شعلوں میں وہ بجلیاں نظر آئیں۔ جو ہندوستان کی ہر دیسی ریاست میں چمکنے لگیں گی اور جابرانہ شخصی حکومتوں کو بھسم کر دیں گی۔

اس لیے سفید فرعونوں نے دوسرا حربہ استعمال کیا جو ۱۹۴۶ء میں بہت کارگر ہو رہا ہے۔ اس کا نام ہے "سیاسی چالبازی"!

وائسرائے نے نواب صاحب بھوپال کو طلب کیا اور حکم دیا کہ "یہ معاملہ طے ہو جانا چاہیئے"۔ نواب صاحب فوراً کام میں لگ گئے۔ بجلی کے تاروں پر برقی پیامات دوڑنے لگے اور کشمیری عوام اور ان کی جدوجہد کے رہبروں کی اطلاع کے بغیر سمجھوتے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جب کشمیر اپنے خون میں نہایا ہوا لڑ رہا تھا اور ظلم کی گولیوں کا شکار ہو کر رہا تھا تو دوسرے لوگ اس کے مستقبل کو فروخت کرنے کے لیے سمجھوتے کی فکر کر رہے تھے۔

نواب بھوپال نے سردار پٹیل سے ملاقات کی۔ اس سے زیادہ شرمناک اور کیا بات ہو سکتی تھی کہ پٹیل دیسی ریاستوں کی پرجا کے قانونی سردار کے۔ ا۔ ا۔ سے

ہوئے تھے۔ دونوں سرداروں نے فیصلہ کیا کہ "کشمیر کا معاملہ طے ہو جانا چاہیئے۔"

کیسے؟

نواب بھوپال نے تجویز کیا کہ "میں کاک کو آپ کی خدمت میں بھیج دیتا ہوں۔"
سردار پٹیل راضی ہو گئے اور بمبئی واپس آ گئے جہاں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا۔

نواب بھوپال نے مہاراجہ کشمیر کو تار دیا کہ کاک کو فوراً بھیجو۔ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ اور کشمیر کے تین سفید فرعونوں نے اس کی تائید کی۔ کاک ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بھوپال آیا۔ نواب بھوپال کے ساتھ بیٹھ کر سمجھوتے کے شرائط طے ہوئے اور کاک بمبئی روانہ ہو گیا۔

سمجھوتے کے شرائط یہ تھے:۔

کشمیر میں پنڈت نہرو پر سے پابندی اٹھالی جائے گی۔

کشمیری رہنما رہا کر دیئے جائیں گے۔

کشمیر میں نیا آئین بنانے کے سلسلے میں مہاراجہ کو مشورہ دینے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے گی۔

لیکن اس کے بدلے میں یہ ضروری ہے کہ:۔

تحریک کشمیر بند کر دی جائے۔

کشمیر چھوڑ دو کے نعرے کو خیرباد کہہ دیا جائے۔

کشمیر نیشنل کانفرنس سے تمام ترقی پسند عناصر نکال دیئے جائیں۔

نیشنل کانفرنس کے ان کارکنوں کے خلاف مقدمہ چلانے کی اجازت

ہو جنہوں نے "تشدد" استعمال کیا ہے۔
کشمیر کی تحریک سے سوویٹ یونین اور ہندوستانی کمیونسٹوں کا تعلق معلوم کرنے کیلئے کی تحقیقات کی جائے۔

ان نمبر ۲ کی بنیاد پر کاک نے سردار پٹیل سے ملاقات کی۔ یہ نہیں معلوم کہ اس ملاقات میں کیا باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد کاک مولانا آزاد سے ملنے گیا اور تجویز بیں ان کے سامنے پیش کیں اور کہا کہ "اگر پنڈت نہرو کے بجائے سردار پٹیل کشمیر جائیں تو بہتر ہے۔ مہاراجہ بہادر اس سے خوش ہوں گے۔

یہ سن کر مولانا آزاد کو غصہ آگیا۔ اور انہوں نے کاک کو ڈانٹ کر بتایا کہ ورکنگ کمیٹی کی طرف سے پنڈت جواہر لال نہرو ہی کشمیر کے تمام معاملات طے کرتے ہیں۔ جا کر ان سے ملو۔"

کاک نے نہرو سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن نہرو نے انکار کر دیا۔
اسی دوران میں کاک کو یہ خبر ملی کہ نیشنل کانفرنس کے تین لیڈر غلام محمد بخشی، ڈی۔ ایم۔ صادق اور شام لال کول پرجا منڈل کی اسٹینڈنگ کمیٹی میں شریک ہونے کیلئے بمبئی آرہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی موجودگی میں کاک کا فریب نہیں چل سکتا تھا۔ اس لئے کاک اپنی سمجھوتے کی تجویزوں کو پیچھے چھوڑ کر کشمیر بھاگ گیا۔

۷۔ نہرو کی دوبارہ آمد

جواہر لال دوبارہ کشمیر جا رہے تھے۔ سارے ہندوستان کی آنکھیں اُن کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ سب سوچ رہے تھے۔ کیا انہیں پھر کوہالہ کی سرحد پر روکا جائے گا۔ مہاراجہ کشمیر نے بڑے غرور سے اپنے دربار میں کہا کہ اگر ضرورت ہو تو میں جس کا داخلہ کشمیر میں بند کر سکتا ہوں۔

لیکن کیا پنڈت جی نے اس سر پھرے آدمی کا منہ بند کیا؟ نہیں! پنڈت جی جب دوبارہ کشمیر پہونچے تو ان کی شان ہی دوسری تھی۔ انہوں نے ایک بھی جلسے میں تقریر نہیں کی۔ کشمیریوں کی ہمت افزائی کے لئے ایک حرف نہیں کہا۔ سری نگر میں پنڈت جی کی آمد کے موقع پر جو ہزاروں آدمی جمع ہوئے تھے ان پر پولس نے لاٹھیاں برسائیں اور بہت سے آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن اس کے جواب میں پنڈت نہرو نے کیا کہا؟ کچھ نہیں۔ انہوں نے صرف لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ "پر امن رہو"

کیا پنڈت جی اسی لئے کشمیر تشریف لے گئے تھے؟ کیا پنڈت جی نے اس کا اظہار کیا کہ وہ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کے نمائندے بن کر کشمیر آئے تھے۔ اور یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ اور ان مجرموں کو سزا دی جائے جنہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ، وزیر اعظم کاک اور کشمیر کے تین سفید فرعونوں کے اشارے سے اس خوبصورت وادی

کو اپنے تشدد سے جہنم کا نمونہ بنا دیا تھا؟

نہیں۔ جیسے کسی نے پنڈت نہرو کے ہونٹ سی دئے تھے۔ اس کے برعکس مسٹر آصف علی نے ایک بیان دیا جسے حکومت کے اخبار "کشمیر ٹائمز" نے بہت نمایاں کرکے شائع کیا جس میں آصف علی صاحب نے یہ فرمایا کہ "کشمیر چھوڑ دو کا نعرہ بے بسی کی پکار تھی"۔ اس بیان میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا مطلب صرف ایک ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا مطالبہ ہے۔ جس میں دستوری حکمران (مہاراج) اور رعایا کے تعلقات اچھے ہوں گے۔ پنڈت نہرو نے بھی سرینگر میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ پنڈت نہرو نے کشمیر میں اپنا وقت وہاں کی تحریک آزادی کو مضبوط کرنے میں نہیں صرف کیا بلکہ وہاں کے لیڈروں کو یہ سمجھانے بجھانے میں ضائع کیا کہ "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ ترک کر دیں۔ وہ بہادر کشمیریوں کو صرف یہ مشورہ دے سکے کہ وہ ریاستی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے تیار رہیں۔ ایک ایسی قوم جو اپنا سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے اپنی آزادی کے لئے لڑ رہی ہو۔ الیکشن کی تیاری کرے۔ زندہ باد پنڈت نہرو زندہ باد۔

لیکن آج کیا کیا جائے جب کاک کی بندوقیں پگھلا ہوا سیسہ اگل رہی ہیں پنڈت جی فرماتے ہیں کہ "میں کشمیر کی اس خوبصورت وادی کو اکثر یاد کرتا رہوں گا جو میرا وطن بھی ہے اور تمہارا بھی۔ اور کشمیر کے باشندوں کی جو کچھ مدد میں کرسکوں گا ضرور کروں گا"!

اس کا کیا مطلب ہے۔ پنڈت نہرو کیا آپ چاہتے ہیں۔ کہ ہندوستان
بھی آزادی کے بجائے الیکشن کا انتظار کرے جیسا کہ آپ نے کشمیر یوں
کو مشورہ دیا ہے؟

کشمیر انتظار نہیں کر سکتا اور نہ کر رہا ہے۔ وہاں آزادی کی جدوجہد
کی نئی لہر اٹھ رہی ہے۔ ۲۶ر جولائی کو حضرت بال میں پولیس نے دو درویش
لیڈروں کو گرفتار کیا۔ عوام نے جواب میں ان پر پتھر پھینکے جن سے کچھ افسر
اور مجسٹریٹ اور ساٹھ پولیس کے سپاہی اور فوجی زخمی ہوئے۔ کشمیر
مہاراجہ کے تشدد کے سامنے خاموش بیٹھ کر الیکشن کے انتظار نہیں
کرے گا۔ بلکہ بہادری سے لڑے گا۔ اور دشمن کے حملے کا جواب دے گا۔
پنڈت جی الیکشن کا انتظار کر سکتے ہیں۔ لیکن کشمیر کو اس لغویت کی فرصت
نہیں ہے وہ میدان جنگ میں اتر چکا ہے۔

یہ جنگ ہندوستان کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ہماری پوری
تحریک آزادی کا اس سے بہت گہرا تعلق ہے۔ کشمیر آج کی جنگ آزادی
کا ایک بہت بڑا مورچہ ہے۔ برطانوی سامراج شاہی ہندوستان پر اپنا
اقتدار باقی رکھنے کے لئے دیسی ریاستوں اور رجواڑوں پر بھروسہ کیے ہوئے
ہے۔ جس کی آنکھیں ہیں وہ بڑی آسانی سے اس حقیقت کو دیکھ سکتا ہے کہ
وزارتی تجویزوں میں دیسی ریاستوں کو کیا درجہ دیا گیا ہے انگریز اپنا
سرمایہ ریاستوں میں کیوں لگا رہے ہیں۔ وہا[illegible] فوجی اور ہوائی اڈے
کیوں بنا رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ ہندوستان کی گردن سے اپنا خونین

پنجہ نہیں ہٹانا چاہتے۔

اس لئے آج "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ آہنی ہتھوڑوں کی طرح برطانوی سامراج کے سر پر پڑ رہا ہے۔ اگر ہندوستان میں انگریزوں کی جوتیاں اٹھانے والے والیان ریاست نہ رہ گئے تو برطانوی اقتدار کے منصوبے کا کیا حشر ہوگا۔ دیسی ریاستیں نہ رہ گئیں تو انگریز اپنا سرمایہ کہاں لگائے گا۔ اگر مہاراجہ باقی نہ رہ گئے تو برطانوی فوجوں کو اڈے بنانے کے لئے زمین کون دے گا۔

ہمارے انگریز حکمران کشمیر کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اسی لئے آج شیخ عبداللہ جیل میں ہیں اور کشمیر پر تشدد کی بارش ہو رہی ہے۔ اس لئے ہندوستانی محبان وطن کو بھی کشمیر کی سیاسی اہمیت سمجھنی چاہیئے اور کشمیر کی فتح کے لئے انگریزوں اور مہاراجاؤں کے خلاف کشمیری عوام کی فتح کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔

ہماری کتابیں

اشتراکی سماج	از ڈین آف کنٹربری	۸ آنے
غدر پارٹی کے انقلابی (دبا نصیب)		۸ آنے
مارکسزم کیا ہے؟	از ایمیل برنس مترجمہ کلیم اللہ	۱۲ آنے
ایران کی بیداری	از علی اشرف	ایک روپیہ
بھگت سنگھ اور ان کے ساتھی	از اجے گھوش	۸ آنے
موت کے غار	از ایس اے ڈانگے	۴ آنے
کشمیر کو سلام (جوش۔ حفیظ۔ سردار جعفری۔ ساحر اور احمد عباس کا خراج تحسین)		۴ آنے
سرخ ستارہ	(سوویٹ یونین پر نظموں کا انتخاب)	ایک روپیہ ۴ آنے
نئی صبح (سوویٹ ناول)	مترجمہ ل۔ احمد	ایک روپیہ
وقت کی آواز	جوش ملیح آبادی	۱۲ آنے
رامش و رنگ (نظموں کا مجموعہ)	" "	چھ روپے ۸ آنے
کانگریس ورکنگ کمیٹی کے نام کمیونسٹ پارٹی کا جواب	از پورن چند جوشی	چار روپیہ
وزارتی مشن	پام دت	چھ آنے

قومی دارالاشاعت۔ مال روڈ۔ لاہور

آپ کون سی کتابیں پڑھیں

کتاب	مصنف	قیمت
[illegible] کلام)	مخدوم محی الدین	ایک روپیہ بارہ آنے
ہیا ہیا (")	مطلبی فرید آبادی	دو روپیہ ۸ آنے
سماج کا ارتقاء	از کلیم اللہ	چار روپیہ
پل پر (ناول)	مترجمہ شبیر محمد اختر	دو روپیہ
بالشویک پارٹی کی تاریخ	مترجمہ احتشام حسین ڈاکٹر عبد العلیم وغیرہ	پانچ روپیہ
سوویٹ یونین کا دستور اساسی	از استالن	ایک روپیہ
مارکس کی تعلیمات		ایک روپیہ
مارکس اور ہندوستان		ایک روپیہ ۸ آنے
سوویٹ روس	از کلیم اللہ	تین روپیہ
سوویٹ یونین کی عورتیں	رضیہ ظہیر	ایک روپیہ
کمیونسٹ مینی فسٹو		دو روپیہ

قومی دار الاشاعت - مال روڈ - لاہور

پرنٹر پبلشر محمد کلیم اللہ نے کواپریٹو کیپیٹل پرنٹنگ پریس لاہور میں طبع کروا کر پروگریسیو بک کلب ۱۱۴ میکلوڈ لاہور سے شائع کیا۔